www.KitaboSunnat.com

فقہ واجتہاد

حافظ ثناء اللہ مدنی

پارلیمنٹ کی رکنیت اور سرکاری عہدے!!

محترمی و مکرمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج بخیر!

پاکستان کی سیاست اور اس کے خود ساختہ دستور اور جمہوری نظام کے پروردہ پارلیمانی اداروں کے حوالے سے جماعتی احوال سے آپ بخوبی آگاہ ہیں، موجودہ صورت حال میں جماعت کے بعض بزرگ سیاست میں حصہ لینے اور پارلیمانی اداروں میں پہنچ کر صدائے حق بلند کرنے کو دینی فریضہ تصور کرتے ہیں اور بعض دوسرے احباب اسے کفر سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف بڑے شدومد سے اپنی آواز بلند کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق کی کتاب **مشروعية الدخول في المجالس التشريعية** اور چند دیگر علماء کرام کے فتاویٰ پیش خدمت ہیں، ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ان کا مطالعہ فرمائیں گے اور ہمیں اپنے موقف کے متعلق آگاہ کریں گے کہ کیا:

۱- پارلیمنٹ کی رکنیت اور موجودہ جمہوری نظام کے ماتحت کسی سرکاری عہدے کو قبول کیا جاسکتا ہے؟

۲- رکنیت پارلیمنٹ اور عام سرکاری عہدے جب دونوں ایک ہی نظام کے ماتحت ہوں تو ان میں فرق کرنا اور پہلے کو کفر اور دوسرے کو جائز تصور کرنا کیسا ہے؟

۳- مروجہ سیاسی نظام کے تحت اگر انتخابات کرائے جائیں تو کیا ووٹ ڈالا جاسکتا ہے؟

۴- جو حضرات انتخابات میں حصہ لینے اور ووٹ ڈالنے کو کفر گردانتے ہیں، ان کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

۵- موجودہ صورت حال میں بعض احباب اخف الضررین کو ووٹ دینا درست سمجھتے ہیں اور بعض دوسرے اسے بھی کفر کا نام دیتے ہیں، تو کیا اخف الضررین یا اھون البلیتین کو قبول کرنے کا کوئی تصور شرعاً موجود ہے؟ خاص طور پر ایسے حالات میں کہ جب اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ ہو اور اسے وقتی طور پر چند شرعی مصالح کا لحاظ کرتے ہوئے قبول کرلیا جائے؟

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمیں امید ہے کہ آپ اپنے قیمتی اوقات کا کچھ حصہ ان سوالات کے جوابات کے لئے صرف کریں گے۔ جزاکم اللہ خیرا ـــــ نیز یہ بھی بتائیے کہ اگر شیخ عبدالرحمٰن (جو کویت کے چند کبار علماء سے ہیں) کی کتاب کا ترجمہ (جو تیار کرلیا گیا ہے) اردو میں چھپوا دیا جائے تو کیا مفید ثابت ہوگا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی دے۔ شکریہ!

عارف جاوید محمدی، گوجرانوالہ

اسلام کے سیاسی نظام کے حوالہ سے ہمیں پیش آنے والے اہم مسائل کے بارے میں آپ کے سوالات کے جواب دینے سے پہلے چند تمہیدی باتیں قابل توجہ ہیں۔ کیونکہ آپ نے بلا دریغ انتخابات میں حصہ لینے والوں اور ان کے بالمقابل شدید مخالفین کا جس طرح ذکر کیا ہے، دونوں جانب افراط و تفریط موجود ہے۔ اس وقت عام مسلمان ملکی سیاست و معیشت کے میدان میں تقریباً کلی طور پر اور معاشرتی سطح پر ذرائع ابلاغ کے اثر سے کافی حد تک کفار کے وضع کردہ نظام تسلیم کئے بیٹھے ہیں۔ ایسی صورت میں نہ تو بلند بانگ سیاسی نعرے اور جہادی جذبہ ہماری مشکلات کا فوری حل ہے اور نہ موہوم امیدوں کے سہارے ایسے لادین نظاموں میں تحفظات کے بغیر شمولیت و تعاون کہ "ہرچہ در کان نمک رفت، نمک شد" والا معاملہ ہو جائے۔

یہ امر بھی واضح رہے کہ جب دین "اجنبی" بن جائے تو صرف فتوؤں سے کام نہیں چلا کرتا بلکہ بصیرت کے ساتھ دعوت و تبلیغ اور حکیمانہ جدوجہد ہی مفید ہو سکتی ہے۔ چونکہ آپ نے شریعت کی روشنی میں ہی مسائل کا جواب طلب کیا ہے، اس لئے ہم بھی زیادہ تر شرعی دلائل پر ہی اکتفاء کریں گے ورنہ ایسے سوالات جب پیدا ہوتے ہیں تو ان کے حسن و قبح کا صحیح ادراک بھی انہیں لوگوں کو ہوتا ہے جو عرصہ سے ایسے معاشروں میں عملی تجربے دیکھ رہے ہیں۔ وسیع تر سطح پر اگر جائزہ لیا جائے تو علمی اختلاف حقیقتاً دین اور سیکولرزم کا ہے لیکن ایسے نظاموں سے ہمارا معاملہ زیادہ تر تدبیر و مصلحت کا ہوتا ہے جس کے بارے میں اصول و ضوابط کی حد تک تو اسلام نے بھرپور رہنمائی دی ہے لیکن تدابیر کا میدان مصالح دینیہ کے تابع رکھ کر کافی وسیع کردیا ہے۔ غزو فکری ہو یا اصلاح و انقلاب کا جہاد دونوں میدانوں میں علمی گفتگو ان لوگوں سے مفید ہوتی ہے جو شریعت کے مقاصد و وسائل اور حیلہ و تدبیر کے درمیان فرق و امتیاز ملحوظ رکھ سکیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ مذکورہ بالا نظاموں کے بارے میں اساسی گفتگو کریں تو جذباتی نوجوان تو بے پر کی لے اڑتے ہیں اور تدبیر و حکمت کی بات کریں تو اباحیت کا دروازہ کھولنے والے آ ٹپکتے ہیں۔ بہرصورت ان دو انتہاؤں کے درمیان پہلے تمہیدی گذارشات

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملاحظہ فرمائیں پھر انہی کی روشنی میں اپنے سوالات کے جوابات پڑھ لیں:

(ا) اسلام زندگی کا کامل دستور العمل ہے، اس لئے اس میں دین و دولت (مذہب و سیاست) کی کوئی تقسیم نہیں۔ چنانچہ اسلام نے جہاں عبادات و معاملات کی تفصیلات پیش کی ہیں، وہاں سیاست کے اصول و ضوابط بھی واضح کردیئے ہیں۔ جس کی رو سے مروجہ وضعی نظام ہائے سیاست بشمول جمہوریت کی بنیادیں اسلام کے مطابق نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ نظام غیر شرعی ہیں، اس لئے مسلمانوں کے ہاں تو یہ بحث ہی فضول ہے کہ ان نظاموں کا کتنا حصہ اسلامی ہے اور کتنا غیر اسلامی۔ کیونکہ جب بنیاد غیر اسلامی ہو تو جزئیات کے بارے میں ایسی بحث کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کوے کو مور کے پر لگانے سے کوا مور نہیں بن جاتا۔

البتہ یہ بات بعض دانشوران ملت کے حق میں ضرور قابل معذرت ہے کہ خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد جب اکثر مسلمان ملکوں میں غیر مسلم سامراجی حکومتیں قائم ہوگئیں اور مسلمانوں کو صرف اپنی پرائیویٹ زندگی کی حد تک عبادات وغیرہ میں عمل کی گنجائش باقی رہ گئی تو سیاسی آزادی کے لئے تحریکوں میں شامل مسلمانوں کے بعض قائدین نے اس تصور کو غلط قرار دینے کے لئے کہ اسلام صرف پرائیویٹ زندگی والا مذہب ہے، ایسے نعرے بھی لگائے جن سے یہ ظاہر ہو کہ اسلام سیاست اور معیشت کو بھی شامل ہے چونکہ حالات ایسے درپیش تھے کہ سیاسی طور پر اگر جمہوریت کے نعرے پسند کئے جارہے تھے تو معاشی میدانوں میں اشتراکیت کے۔ لہٰذا ان دانشوروں نے اسلامی سیاست و معیشت کو مقبول بنانے کے لئے **دیمقراطیة الاسلام** (اسلامی جمہوریت) اور **اشتراکیة الاسلام** (اسلامی اشتراکیت) کی اصطلاحیں بھی استعمال کیں۔ اگرچہ مذکورہ بالا پیش کردہ انداز کو ایک معذرت ہی قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ اب ان اصطلاحوں کے بڑے گہرے منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ لہٰذا اب ہمارے نزدیک ایسی اصطلاحات کا استعمال فائدہ کی بجائے زیادہ نقصان دہ ہے۔ اس لئے ان سے شدید پرہیز کرنا چاہئے۔

(ب) اسلام امن وسلامتی کا دین ہے۔ اس نے شرک جیسے نازک مسئلے پر بھی دعوتی انداز اختیار کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سالہ قیام کے دوران اپنے ساتھیوں پر ظلم ہوتے دیکھے، اسی کعبہ (بیت اللہ) میں تیرہ سال سجدے کئے، جہاں مشرکین نے ۳۶۰ بت سجا رکھے تھے۔ حالانکہ آپ کے پاس ایسے فدائیین موجود تھے جو شہادت کو سرمایہ افتخار سمجھتے اور ان چیزوں کا پل بھر میں خاتمہ کرسکتے تھے لیکن اسلام پہلے حجت قائم کرتا ہے۔ پھر کوئی انتہائی قدم اٹھاتا ہے۔ قتل و قتال کا رویہ تو انتہائی مجبوری کی صورت قابل عمل ہے لہٰذا تشدد کی علم بردار موجودہ جہادی تحریکیں اسلامی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طریقہ کار سے ناواقفیت کی بنا پر حکومتوں کے ظلم کے رد عمل میں جو رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں، ان کی حمایت کلی طور پر بلا سوچے سمجھے نہیں کی جاسکتی- بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل اور آپ ؐ کے پیشرو دیگر انبیاء بالخصوص حضرت یوسف علیہ السلام کا برتاؤ اس امر پر دلیل ہے کہ غیر اسلامی (کافرانہ اور ظالمانہ) نظاموں کی موجودگی میں خیر کے لئے کس صبر و حوصلہ سے حکیمانہ جدوجہد کرنی چاہئے- یوسف علیہ السلام کی پوری زندگی دین کے لئے محنت کرتے ہوئے (اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونے کے باوصف) گزر گئی لیکن وہ اپنے زیر نگیں علاقے میں بھی پوری طرح دین و شریعت کا نفاذ نہ کرسکے جس کا ذکر قرآن مجید نے ان الفاظ سے کیا:

﴿ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّى إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا ﴾ (المومن:۳۴)

"قبل ازیں تمہارے پاس حضرت یوسف ؑ بھی معجزات لے کر آئے تھے لیکن ان کے جیتے جی ان کے پیغام کے بارے میں تم شک میں رہے پھر جب ان کا انتقال ہوگیا تو تم نے انہیں خاتم الرسل بنادیا"

آیت مذکورہ بالا میں واضح دلائل کے باوجود لوگوں کا شک میں رہنا پھر یوسف علیہ السلام کو خاتم الرسل بنا دینا قابل غور ہے- ایسا ہی معاملہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے والے حبشہ کے حاکم اصحمہ نجاشی کو پیش آیا جو مسلمان ہوکر مسلمانوں کی حمایت تو کرتا رہا لیکن اپنے ماتحت رعایا کو مسلمان بنا سکا، نہ ان پر اسلام کا نفاذ کرسکا- حتیٰ کہ اس کی موت پر نماز جنازہ پڑھنے والے بھی موجود نہ تھے- اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ کا خصوصی غائبانہ اہتمام فرمایا-

دور حاضر میں حکومتوں کے اختیارات صرف انتظامی نہیں رہے بلکہ حکومتیں اقتدار کے سرچشموں پر کنٹرول کرکے کافی حد تک فرد و معاشرہ کو بے بس بنا دیتی ہے اور بہت محدود پیمانہ پر ہی تبلیغی اثرات حاصل ہوتے ہیں- بے لاگ تجزیہ سے یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ واقعتاً جمہوریت بجز استبدادی نظام ہے- ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں:

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے آزادی کی ہے یہ نیلم پری

گویا آج کل جس طرح حکومتیں عوام کے اجتماعی معاملات پر تسلط جمائی بیٹھی ہیں اور وسیع ذرائع ابلاغ بھی رکھتی ہیں اور عسکری قوتوں کی حامل ہیں، ان سے حربی تصادم خود اور دیگر مسلمانوں کو خطرناک حالات سے دو چار کرنے کا سبب بنتا ہے- اس لئے سلامتی کی راہ صرف یہی رہ گئی ہے کہ مروجہ نظام کے تحت ہی حتی المقدور تگ ودو کی جائے- اس تگ و دو کے لئے انبیاء کی شرک اور دیگر

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشرتی خرابیوں کے خلاف کافرانہ معاشروں میں جدوجہد مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ انبیاء نے اصولی طور پر معاشرے میں کشمکش اور تصادم کی دعوت نہیں دی بلکہ دعوت کے مقابلہ میں ظلم و ستم کا جواب بھی اخلاق کریمانہ اور بلند کرداری سے دیا ہے اور یہی ان کی کامیابی تھی۔

(ج) شریعت نے ہمیں انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی طاقت کے مطابق جدوجہد کا مکلف بنایا ہے۔ انجام رب العالمین کے ہاتھ میں ہے، تاہم تدبیر بھی تقدیر کے تحت روا رکھی گئی ہے۔ جو ہر مکلف کو اختیار کرنی چاہئے۔ زندگی کے متنوع شعبے ہیں اور انسانوں کی صلاحیتوں کا تفاوت بھی موجود ہے تمام لوگوں کو ایک ہی کام پر نہیں ڈالا جاسکتا، تاہم مسلمانوں کی تمام کوششیں باہمی مربوط ہونی چاہئیں تاکہ نتیجتاً خیر کے لئے معاون بن سکیں۔

تعلیم و تعلم، دعوت و ارشاد اور حکمت و سیاست کے لئے اسلامی طریقہ کار ہر قسم کے حالات کے لئے موجود ہے۔ اسے کتاب و سنت اور ائمہ سلف کی زندگیوں کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ کتاب و سنت کی تعلیمات کے سمجھنے میں عموماً یہ مغالطہ پیش آتا ہے کہ کسی جزوی ہدایت کا پیش آمدہ مسئلہ سے تعلق کیا ہے؟ اجتہادی امور میں اسلامی تعلیمات کا مناسب محل میں استعمال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں ﴿ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ﴾ اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد "من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین" میں کیا گیا ہے۔ ہمیں جس طرح کے حالات درپیش ہیں، مسلمانوں کو اس سے پہلے بارہا پیش آچکے ہیں۔ اس سلسلے میں تاتاریوں کے غلبہ کے وقت مسلم حکمرانوں کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ یہ حکومتیں ظالمانہ بھی تھیں اور اپنے طرز عمل میں اسلام کی پوری پابندی بھی نہ کرتی تھیں تاہم ان غلط امور میں قائدین اسلام ان سے بغاوت کئے بغیر ان کی اصلاح کے لئے کوشاں رہے اور خیر کے کاموں میں ان کے معاون بھی بنے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی مثال اس سلسلہ میں نمایاں ہے جنہوں نے ان حکمرانوں اور معاشروں کی دعوت و اصلاح کے ساتھ ساتھ خیر کے کاموں میں عملاً تعاون بھی کیا اور اپنے طرز عمل کی وضاحت بھی موقعہ بہ موقعہ کرتے رہے اس سلسلے میں مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ جلد ۲۰ صفحہ ۵۵، ۵۶، ۵۷ اور جلد ۳۰ صفحہ ۳۵۶ تا ۳۶۰ ان کا موقف سمجھنے کے لئے مفید ہوسکتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ مسلمان حکومتوں کا دستور ادنیٰ حد تک ان حکمرانوں کے تحت زندگی بسر کرنے کی گنجائش دیتا ہو اور ہجرت لازمی نہ ہوگئی ہو تو پھر رویہ یہی اختیار کرنا چاہئے کہ خیر کے لئے کوشش جاری رہے اور شر کے بالمقابل صبر و استقلال کے ساتھ اصلاحی جدوجہد بھی ماند نہ پڑنے پائے۔

ان تمہیدی نکات کے بعد اب ہم براہ راست سوالات کے جوابات پیش کرتے ہیں:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال (۱) کا جواب: جن ممالک کے دساتیر میں شریعت کی بالادستی کا دعویٰ موجود ہو وہاں پارلیمنٹ کی رکنیت اور مروجہ نظام کے ماتحت سرکاری عہدہ اس غرض سے قبول کرلینے میں کوئی حرج نہیں کہ خیر کی طرف کوئی قدم بڑھایا جاسکے تاہم یہ واضح رہے کہ اس صورت میں اول اپنی شخصیت کا ناقدانہ جائزہ اور محاسبہ پیش نظر رہے کیونکہ مصلحت کا تقاضا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ بعض لوگ اثر انداز ہونے کی زیادہ اہلیت رکھتے ہیں جبکہ بعض دوسرے اثر پذیر ہونے کی۔ بہرصورت مقصد امر بالمعروف و نہی عن المنکر رہے تو ٹھیک ورنہ طلب اقتدار (فرمان رسول ﷺ کے مطابق) اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروی کا باعث ہونے کی وجہ سے بے برکتی پر منتج ہوتا ہے۔ دوسری بات مروجہ نظاموں کے اعتبار سے یہ ہے کہ ان تمام وضعی نظاموں کی اساس حصول اقتدار ہے اور ان نظاموں کے تانے بانے اسی جال کے لئے بنے گئے ہیں۔ اس لئے جب تک خیر کے رستے کھلے پائے، کار اصلاح میں شریک رہے۔ ورنہ خود کو فتنہ سے بچانے کی راہ اختیار کرے۔

سوال (۲) کا جواب: پارلیمنٹ کی رکنیت اور دیگر سرکاری عہدوں میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں۔ پارلیمنٹ کا زیادہ تر تعلق تشکیل حکومت سے ہوتا ہے تو سرکاری عہدوں کا حکومت کے ساتھ تعاون سے۔ بعض اعتبار سے پارلیمنٹ کی رکنیت زیادہ اہمیت رکھتی ہے تو دوسرے اعتبارات سے کوئی سرکاری عہدہ۔ بہرصورت اس کا تعلق اشخاص کی صلاحیت اور مواقع کی مناسبت سے ہے اور اس کا فیصلہ اسی چیز کے مدنظر ہونا چاہئے۔ کافرانہ یا ظالمانہ نظام میں شرکت یا تعاون دونوں میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہے۔ اصل مقصد خیر اور اس کے حصول کے مواقع کی اہمیت ہے۔ اسلام میں وسائل مقاصد کے تابع ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں شرعی مقصد کے لئے حیلے کا جواز اور غیر شرعی مقصد کے لئے حیلوں کی مذمت کا مطالعہ مفید ہوگا۔

سوال (۳) کا جواب: مصالح دینیہ کی بنا پر اسلام اور مسلمانوں کی ہمدردی میں قریب ترین پارٹی یا اشخاص کو ووٹ ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں لیکن اس شعور کے ساتھ کہ ووٹ اور بیعت کا آپس میں کوئی تعلق نہیں جیسا کہ ہم تمہیدی نکات میں یہ واضح کرچکے ہیں کہ لادینی نظاموں کی بعض جزئیات کو اسلامی شعارات کے مماثل قرار دینا کج فہمی ہے جو لوگ ووٹ کو بیعت پر قیاس کرنے کی جرات کرتے ہیں یا جمہوریت کو اسلامی شوریٰ پر۔ وہ اسلامی سیاست سے نابلد ہیں۔ تاہم ہماری گذارشات کے مطابق ووٹ ڈالنا ہو یا امیدواری کا مسئلہ، اس کا اصل تعلق اسلام کے لئے جدوجہد کرنے سے ہے لیکن یہ بھی واضح رہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ لادینی نظاموں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ذریعے نفاذ شریعت کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ بلکہ ایسے اداروں میں شامل ہو کر زیادہ سے زیادہ برائی کے خلاف دفاع کیا جاسکتا ہے یا خیر کے کچھ رستے تلاش کئے یا کھولے جاسکتے ہیں۔

البتہ انتخابات کے سلسلے میں ایک بات کا تعلق زیادہ تر تجربہ سے ہے جو گذشتہ تقریباً پچاس سال سے ہم پاکستان میں دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ جمہوری انتخابات میں ووٹ سے آگے بڑھ کر امیدواری اور کامیابی کے لئے دیگر سیاسی جماعتوں سے مقابلہ اور گٹھ جوڑ کے لئے مروجہ سیاسی ہتھکنڈوں کے حوالے سے جو شخص سیاسی فریب اور جھوٹ کو اختیار نہ کرے، اس کا اقتدار میں آنا مشکل ہوتا ہے۔ اتفاقات کی بات چھوڑیئے، عام حالات میں اگر وہ مکار منافقانہ ہتھکنڈے اس میکاولی سیاست میں استعمال نہ ہوں تو یا ناکامی مقدر بنتا ہے یا پھر کامیاب ہونے والا ''شو پیس'' بن کر رہ جاتا ہے۔ ایسے حالات میں مقصد خیر کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کرنے کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔ اگر اس کا دروازہ چوپٹ کھول دیا جائے تو پھر تقویٰ و دین کا اللہ ہی حافظ ہے!! لہٰذا ہمارے نزدیک اس میدان میں اترنے کی مشروط اجازت دفاع دین کے لئے اسی قدر ہے جتنی جہاد و قتال میں فریب کی ہو سکتی ہے، اس لئے ہم انتخابات میں شرکت کی گنجائش، نفاذ شریعت کا موثر ذریعہ ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ شر میں کمی کی غرض سے دینی دفاع کے ایک حربہ کے طور پر ہی پاتے ہیں۔ کیونکہ جمہوری انتخابات میں بالفرض کامیاب ہو کر زیادہ سے زیادہ چہرے بدلے جاسکتے ہیں، نظام میں تبدیلی مشکل ہوتی ہے۔ پھر میکاولی سیاست تو ایک کاروبار ہے۔ اس میں جو لوگ آتے ہیں وہ زیادہ تر نودولتیے، جاگیردار اور ایسے صنعت کار ہوتے ہیں، جن کے پاس سیاست بازی کے لئے اوقات فارغ ہوتے ہیں۔ وہ اقتدار کے لئے غلط طریقوں سے حاصل کردہ دولت کا بے دریغ استعمال کرکے کرسی پر براجمان ہوتے ہیں پھر اقتدار کا حصہ بنتے ہی وہ جوع الکلب (کتے سے منسوب حرص کی بیماری) کی صورت وہ لوٹ مار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بلکہ یہ سیاست تو ایک کاروبار ہے۔ دوسرے پیشوں کی طرح اس کے لئے خاندان مخصوص ہوتے ہیں۔ ایک ہی خاندان کے افراد مختلف جماعتوں سے وابستہ ہو جاتے ہیں کہ اگر مخصوص جماعت اقتدار میں آئی تو فلاں فرد کے ذریعہ سیاسی فائدہ اٹھائیں گے اور اگر دوسری جماعت کامیاب ہوگئی تو دوسرا فرد خاندانی مفادات کے لئے کام آئے گا۔ یہ کھیل اتنا گھناؤنا ہے کہ اس کی کوئی سنجیدہ قوم متحمل نہیں ہو سکتی۔ یہاں اس کی طرف اشارہ ہی کافی ہے۔ ایسے حالات میں بہت کم اللہ کے بندے نیک نیت رہ کر اپنی سیرت و کردار کا تحفظ کر سکتے ہیں۔ لیکن ایسے معاشرے اور نظام کے زیر نگیں رہ کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینا بھی کوئی نجات کی راہ نہیں ہے کیونکہ اس

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح اقتدار کے سرچشموں پر صرف گندے لوگ ہی قابض ہو کر نیکی کی راہیں زیادہ سے زیادہ مسدود کرتے چلے جائیں گے اور سارا معاشرہ انہی کے رحم و کرم پر رہ جائے گا۔ ہمارے نزدیک اگر کوئی شخص ہجرت کے مواقع نہ پائے اور دعوت دین یا دفاع دین کی مساعی میں شریک و معاون بھی نہ ہو تو یہ بھی بے کاری کی ایک شکل ہے بہرصورت مسلمان کو تادم حیات معاشرے کا عضو معطل بن کر رہنے کے بجائے کسی نہ کسی حد تک اصلاح میں اپنا حصہ ضرور ڈالنا چاہئے خواہ جتنا حضرت ابراہیمؑ کی چتا پر پرندوں نے چونچوں سے پانی کے قطرے گرا کر لیا تھا۔ (اسی چتا پر گرگٹ یا چھپکلی کے پھونک مارنے کی سرشت ہی کی بنا پر اس کا قتل باعث اجر و ثواب ٹھہرا۔)

سوال (۴) کا جواب: جمہوری انتخابات میں حصہ لینے کی بنا پر کفر کا فتویٰ لگانا مناسب نہیں کیونکہ کسی نظام کے کلی یا جزوی طور پر کافرانہ یا لادین ہونے کی بنا پر ہمارا طرز عمل صرف ہجرت کا نہیں ہونا چاہئے بلکہ اصل کام جدوجہد ہے۔ جس طرح رسول کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سال جدوجہد کی ہے۔ ہجرت کی اجازت تو آپؐ کو انتہائی مجبوری کی حالت میں ملی پھر ہجرت کوئی فرار نہیں بلکہ اصلاح کا ایک متبادل طریقہ کار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کے بعد دوبارہ مکہ مکرمہ فتح کیا ہے۔

سوال (۵) کا جواب: اخف الضررین (اھون البلیتین) کے فقہی قواعد کا استعمال عموماً ان کی حیثیت جانے بغیر عام لوگ کرتے ہیں حالانکہ اصول فقہ اور فقہی قواعد کی اصطلاح میں بڑا فرق ہے۔ اصول فقہ کتاب و سنت سے مسائل کے استنباط کے لئے اجتہادی اصول ہیں تو قواعد فقہیہ استنباط مسائل کے وقت اجتہادی رویوں کو متوازن رکھنے کے کام آتے ہیں۔ اھون البلیتین کوئی اصول فقہ (اجتہاد) میں سے نہیں بلکہ ایک فقہی قاعدہ ہے۔ بہرصورت اس قاعدہ کی رو سے مصالح اور مفاسد کا باہمی تقابل کرکے مصلحت کو ترجیح دینا اور مفسدہ سے بچنا درست ہے۔ جب دین دار یا اسلام پسندوں کا مقابلہ دین بیزار یا سیکولر لوگوں سے ہو تو اس وقت ووٹ نہ دینا صرف ووٹ کا ضیاع نہیں ہوتا بلکہ بالواسطہ بے دین لوگوں کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے۔ کیونکہ مروجہ جمہوری انتخابات میں اصل معیار ووٹوں کی حقیقی کثرت نہیں بلکہ مقابلہ میں ووٹوں کی اکثریت ہے۔ لہذا نسبتاً بھلے آدمی کو ووٹ نہ دینا اسے مقابلہ میں کم تر بنانے کا باعث ہوتا ہے۔ نتیجتاً برے لوگ اقتدار کے سرچشموں پر فائز ہو کر خیر کے رستے بالکل بند کردیتے ہیں۔ یہ پہلو اگر نظر میں رہے تو مسئلہ واضح ہوجاتا ہے۔ قرآن مجید کی سورۂ روم کی ابتداء میں روم (اہل کتاب عیسائی) اور فارس (مشرک) کی جنگ میں مسلمانوں کو پہلے روم (عیسائیوں) کی شکست پر رنجیدہ ہونے کی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنا پر اس طرح تسلی دی گئی ہے کہ چند ہی سالوں میں رومی (عیسائی) فارس (مجوسیوں) پر غالب آئیں گے۔ ﴿ ویومئذ یفرح المومنون ﴾ "اس دن مومن خوشی منائیں گے"

حالانکہ عیسائی اور مجوسی دونوں کافر ہیں لیکن مشرکین کے بالمقابل اہل کتاب اسلام کے زیادہ قریب ہیں اس لئے مسلمانوں کو نہ صرف اہل کتاب کی فتح کی بشارت دی گئی بلکہ ان کا خوشی منانا بھی پسندیدہ قرار پایا۔

نوٹ: زیر نظر سوال و جواب کے بارے میں یہ گذارش مناسب ہے کہ ایسے معاملات کا تعلق اسلام اور مسلمانوں کے مصالح اور مفاسد سے ہے اور ایسے معاملات میں جو رویے اختیار کئے جاتے ہیں وہ بھی تدبیری قسم سے ہیں۔ ان کے بارے میں کفرو شرک کا فتویٰ تشدد اور انتہا پسندی ہے۔ البتہ مکرر یہ بات واضح رہے کہ وضعی نظام ہائے سیاست کا اسلام سے پیوند لگانا قطعاً درست رویہ نہیں۔ مسلمانوں کے اندر غزو فکری کے طور پر ان نظاموں کی خرابیوں کو واضح کرنا اور اسلامی نظام کی خوبیاں اجاگر کرنا بڑا ضروری ہے۔ بالخصوص تقابلی مطالعہ کے وقت وہ فرق ضرور ملحوظ رکھنے چاہئیں جن کی بنا پر لادین نظاموں کی بعض جزئیات کے لئے اسلامی نظام کی بعض جزئیات سے تشابہ کا مغالطہ دینے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔

آج ہمیں یہ چیلنج درپیش ہے کہ اسلامی اصول و ضوابط کے مطابق دورحاضر کے لئے اسلام کا قابل عمل سیاسی نظام دنیا کے سامنے پیش کریں اور جب تک کوئی ایسی صورت حاصل نہیں ہوتی ایسی بحثوں کی اشاعت مفید ہے جو کتاب و سنت کی روشنی میں ہمارے تدبیری معاملات میں رہنمائی کرسکیں۔ شیخ عبدالرحمٰن عبدالخالق کی محولہ بالا کتاب جو اگرچہ زیر بحث موضوع پر جامع تبصرہ کی حامل نہیں بلکہ مروجہ لادینی نظاموں میں اشتراک کی پرزور حمایت کا ایک رخ ہی ہے تاہم ایسی مباحث کا بہ دلائل مطالعہ غور و فکر کی راہیں ضرور کھولتا ہے اس طرح معاشرہ میں باشعور طرز عمل اختیار کیا جاسکتا ہے ہماری رائے میں یہ کتاب جس طرح عربی میں شائع ہوئی ہے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہونا چاہئے۔ اس وضاحت کے ساتھ کہ کویت کا جمہوری دور ابھی جمہوریت کے تجربہ سے اتنا آشنا نہیں جتنا پاکستان یا وہ ملک اس تجربہ کی خوبیوں اور خرابیوں سے متعارف ہوچکے ہیں جو ایک عرصہ سامراج کے زیر نگیں رہے اور اب بھی انہیں سامراجی نظاموں کی دلدل سے نکل کر اسلام کی طرف پیش رفت کرنا ہے۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم!!!

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ